اُردو کا مشترک تہذیبی وثقافتی ورثہ

فرح عابد / طارق ہاشمی ☆

Abstract:

We are having a common civilization in subcontinent. Our commonalities are lingual,cultural and social. Unfortunately this territiry has been divided and thus the unity of this civilization. In this artical the common factors have been highlighted

ہندوستان کا شمار ایسے ممالک میں ہوتا ہے جہاں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں اور کئی ایک تہذیبیں پروان چڑھیں۔ان میں کچھ تہذیبیں زوال کا شکار ہوگئیں لیکن اس خطۂ زمین پر دو بڑی تہذیبیں ایک مسلم تہذیب اور دوسری ہندو تہذیب ایک لمبے عرصے تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔مسلمان جب ہندوستان آئے تو اپنا تہذیبی ورثہ بھی ساتھ لے کر آئے۔ہندوستان کی مقامی تہذیب اور مسلمانوں کی لائی ہوئی اجنبی تہذیب کے مرکب سے مشترک ہندوستانی تہذیب وجود میں آئی۔ہندی عناصر میں اسلامی عناصر اس طرح داخل ہوئے کہ اعتقادات سے لے کر فنونِ لطیفہ تک کوئی پہلو اس اشتراک سے خالی نظر نہیں آتا۔مشترک تہذیب کا میل معاشی و معاشرتی، سیاسی و مذہبی غرضیکہ ہر شعبہ ہائے زندگی میں نظر آتا ہے۔گرونانک نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باطنی عقائد کو سمو کر مذہب کی اصل روح کو لوگوں تک پہنچایا لیکن بعد میں اُن کی تعلیم سیاسی تحریکوں کی بدولت سکھ مذہب کی شکل اختیار کر گئی۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "گرونانک کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی۔اس میں اسلامی اثرات شدت سے کارفرما تھے۔ انہوں نے ذاتِ الٰہی کا جو تصور پیش کیا وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے بہت قریب ہے۔"(۱)

جس وقت مسلمانوں کا ورود ہندوستان میں ہوا۔ہندومت اپنی کمزوریوں کے عروج پر تھا۔مذہب محض رسم و رواج کا نام رہ گیا تھا۔مثلاً ویدی تہذیب کا خاص فلسفہ قربانی تھا لیکن رفتہ رفتہ ان قربانیوں نے علامتی شکل اختیار کر لی۔یہی حال دیگر مذہبی تصورات کا ہوا۔پیدائش سے لے کر موت تک ہزاروں رسوم کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کا

☆ لیکچرار گورنمنٹ کالج، ڈجکوٹ

آغاز ہوگیا۔ جب اسلام جیسا سادہ مذہب کا اس تہذیب میں نفوذ ہوا تو فطری طور پر اشتراک کا عمل وجود میں آیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے رسم و رواج تمام اسلامی ملکوں سے مختلف ہیں اور یہ یقینی طور پر مقامی اثرات کا نتیجہ ہے۔ گود بھرائی کی رسم، چھٹی کی تقریب، چھلے کی رسم اور اس تقریب میں گائے جانے والے ہندی گیت، بچے کے دانت نکلنے کی رسم، سالگرہ کی رسم، غرض اس قسم کی ہزاروں رسوم گو کہ ہندی تہذیب کا حصہ ہیں لیکن برصغیر کے مسلمانوں میں بھی یکساں طور پر رائج ہیں۔ ڈاکٹر ساجد امجد مذکورہ رسوم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''برصغیر پاک و ہند میں لڑکیوں کے ناک کان چھیدنے کا بھی رواج ہے۔ اس موقع پر گھو چنے تقسیم کیے جاتے ہیں۔ یہ رسم بھی ہندوستان ہی کی اختراع ہے۔ عرب میں اس قسم کے زیوروں کا رواج ہی نہیں تھا تو ناک کان چھیدنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نتھ خالص ہندوستانی زیور ہے۔ اس زیور کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ سہاگ کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ آج کی طرح کئی سو سال پیشتر بھی ناک چھدوانے، نتھ پہننے کا رواج تھا اور دلہن کا خاص زیور سمجھا جاتا تھا۔'' (۲)

اسلام میں شادی ایجاب و قبول کی ایک سادہ تقریب ہے۔ نکاح اور ایجاب و قبول اور قرآن کے سائے میں دولہا دلہن کو رخصت کرنے کے ساتھ مقامی رسموں کا رواج مشترک تہذیب کا ایک مثالی سنگم ہے۔ مایوں کی رسم، ساچق کی رسم اور اس تقریب میں استعمال ہونے والے ساز و سامان ساچق اور مہندی کے بعد شب گشت کا جلوس اور اس کے لوازم مخلوط تہذیب و معاشرت کا خاص مرقع معلوم ہوتے ہیں۔ بہت سی ضمنی رسومات ادا کرنے کے بعد آرسی مصحف کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ساجد امجد لکھتے ہیں کہ:

> ''بعض اسلامی عناصر شامل کر کے اس رسم کو مسلمان کر لیا گیا ہے۔ تا کہ تشخص برقرار رہے۔ دولہا دلہن آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ بیچ میں تکیہ، تکیے پر قرآن مجید ہوتا ہے۔ نوشاہ کو سورۂ اخلاص پڑھنے کو کہا جاتا ہے۔ پھر آئینہ لایا جاتا ہے جس میں دولہا دلہن ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں پھر دودھ یا شربت پلایا جاتا ہے۔'' (۳)

خوشی کی رسوم کے ساتھ ساتھ غمی کی سیکڑوں رسمیں برصغیر کے مسلمانوں نے ہندوؤں سے مستعار لیں۔ ان رسوم میں سوم، چہلم، دسواں، پھول کی رسم کے ساتھ ساتھ قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی وغیرہ کی شمولیت نے اسلامی تشخص کو برقرار رکھا اور یہی ہندوستانی تہذیب کا کمال خاص ہے۔

معاشرتی سطح پر تہذیبی اختلاط وسعت اختیار کرتا چلا گیا اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے تہوار مشترکہ تہواروں کی شکل اختیار کرنے لگے۔ خصوصاً رکشا بندھن، دیوالی، ہولی، میلاد و نعت کی محفلیں وغیرہ۔ رکشا بندھن، دیوالی، ہولی یہ ہندوؤں کے تہوار ہیں لیکن مسلمان حکمران بھی اپنے اپنے دور میں ان تہواروں کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر مناتے رہے۔ راکھی کا تہوار جس کو ''سلونو'' کا تہوار بھی کہا جاتا ہے، مغل بادشاہوں میں بہت مقبول تھا۔ اس بارے میں گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''راکھی کو سلونو کا نام اکبر ہی کے عہد حکومت میں دیا گیا۔ لفظ سلونا فارسی الفاظ ''سالِ نو'' کا مرکب

ہے۔''(۶)

راکھی کے علاوہ دیوالی اور ہولی کے تہواروں میں بھی مسلمان ہندوؤں کے ساتھ شریک رہے۔ مغلوں کے زمانے میں ہولی کی رنگینیاں محض ہندوؤں تک محدود نہیں تھیں بلکہ مسلمان بھی ان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ بالکل اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے تہواروں کی انھی کی طرح مناتے تھے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''محرم ایک تاریخی المیہ کا مظہر ہے اور دردمندی کا نشان، اس بارے میں مشہور ہے کہ مرہٹے محرم کو پوری عقیدت وحترام کے ساتھ مناتے تھے۔''(۵)

ہندو شعرا نے نہ صرف ''واقعۂ کربلا'' کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا بلکہ وہ نعت بھی لکھتے تھے۔ مشترکہ تہذیب کی سب سے بہترین شکل اس کے جمالیاتی پہلو میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ فنِ تعمیر میں ملا جلا طرز پیدا ہوا۔ ڈاکٹر عابد حسین لکھتے ہیں:

> ''فنِ تعمیر میں ہندو مسلم عناصر کی ترکیب وامزاج کا عمل سلطنت دہلی کے زمانے میں ہی شروع ہو چکا تھا لیکن اس کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے مغل بادشاہوں کی جدتِ خیال اور وسعتِ ذوق کی ضرورت تھی۔ بابر اور ہمایوں تو اپنے ساتھ خالص ایرانی مذاق اور ایرانی ماہرینِ تعمیر لے کر آئے تھے۔ اس لیے ان کے عہد کی بچی کھچی عمارتیں مثلاً بابر کی بنوائی ہوئی پانی پت اور سنبھل کی مسجدیں اور ہمایوں کی بنوائی ہوئی فتح آباد حصار کی مسجد اصفہان کی عمارتوں کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔۔۔ اکبر نے سیاسی اور ذہنی میدانوں کی طرح آرٹ کے میدان بھی ترکی ایرانی رنگ میں رنگتے ہوئے اسلامی تصورات کو ہندوستانی تصورات کے ساتھ سمونے کی کوشش کی اور اس طرح لطیف خوشنما مغل طرز کی بنیاد پڑی جسے دنیا آج تک آنکھوں میں جگہ دیتی ہے۔''(۶)

مصوری میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی اختلاط ایک ملے جلے ''ہند ایرانی دبستان'' کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اکبر کو ہندوستانی موسیقی، مصوری اور دوسرے علوم وفنون میں گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس نے ایرانی اور ہندوستانی مصوروں کو اپنے دربار میں جمع کر کے اکیڈمی کی بنیاد ڈالی۔ ایرانی استاد سید علی اور عبدالصمد نوجوان شاگردوں کو جن میں اکثر ہندو تھے، ایرانی طرز کی باریکیاں اور رنگ کاری کے گر سکھاتے تھے۔ اسی طرح جہانگیر نہ صرف مصوری کا قدردان تھا بلکہ خود بھی فن کار اور مبصر تھا۔ اس کے زمانے میں یہ فن ترقی کر کے انتہائی درجے پر پہنچ گیا۔ سلطنتِ دہلی کے زمانے میں چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاق میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ مغلوں کے دربار میں موسیقی کے دیسی اور بدیسی طرز اس طرح گھل مل کر ایک ہو گئے کہ اب مختلف طرزوں میں فرق کرنا ناممکن ہو گیا۔ ڈاکٹر سید عابد حسین لکھتے ہیں کہ:

> ''ہندوستانی موسیقی'' جس کی تشکیل اکبر کے زمانے میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ ہندوستانیوں کے دل ایک ہی تال پر دھڑکتے ہیں، ایک ہی انداز سے اُٹھتے اور گرتے، ہنستے اور روتے ہیں۔''(۷)

ہندوستان کی سر زمین کو سر سبز و شاداب کرنے والی قوموں خاص کر مسلمان اور ہندوؤں نے اپنے رسم و رواج، آداب و معاشرت، لباس و زیورات اور فلسفے کے اشتراک کے ذریعے ایسی فضا تخلیق کی جس سے ساری دنیا برملا یہ کہہ اُٹھی کہ ہندوستان قوس وقزح کے رنگوں کا خوبصورت امتزاج ہے۔ انہی طور طریقوں، رسم و رواج سے یا لباس و زیورات سے ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ تہذیبوں کے اشتراک کا یہ نتیجہ ہے کہ ویدِ تہذیب، ہندو تہذیب اور پھر اسلامی تہذیب ایک دوسرے سے مل کر ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھیں اور پھر عیسائیت کے غلبے سے بدھ مت، ہندو مت، اسلام اور عیسائیت ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے کہ ہر تہذیب دوسری تہذیب کی خوبیوں میں ضم ہو کر اس طرح ہم کنار ہوئی ہ عروس ہند کا شہرہ جگمگا اُٹھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اگرچہ دونوں ممالک ہندوستان اور پاکستان جغرافیائی اعتبار سے الگ اور خود مختار ریاستیں تصور کی جاتی ہیں۔ جہاں کے رہنے والے اپنے اپنے مذاہب اور عقائد کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ تاہم ان میں آج بھی مشترک تہذیب کے باقی ماندہ اثرات نظر آتے ہیں کیونکہ دونوں ممالک کے عوام کی ذہنی پرورش صدیوں کے میل جول اور باہمی اختلاط کا نتیجہ ہے۔ پاکستانی شہری آج بھی اُن روایات کی پاسداری کرتے ہیں جو ہندوؤں کی روایات سے مستفاد ہیں۔ اسی طرح ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے آج بھی بہت سی ایسی روایات کو اپنائے ہوئے ہیں جن کا تعلق مسلم تہذیب سے ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اولیا کے عرسوں کی تقریبات میں ہندو بھی شریک ہوتے ہیں اور چادریں بھی چڑھاتے ہیں۔ اِس کے حوالے سے اجمیر شریف میں حضرت معین الدین چشتی کے عرس اور دیگر تقریبات کی مثال بطورِ خاص پیش کی جا سکتی ہے۔ اس طرح قوالی جو کہ خالص مسلمانوں کا تہذیبی ورثہ ہے ہندوستان کے عوام میں بہت مقبول ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ گوپی چند نارنگ، اُردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب، ص ۸۹

۲۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، اُردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، ص ۱۰۸

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۴۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ہندوستان کی تحریک آزادی اور اُردو شاعری، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۳

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۶۔ عابد حسین، سید، ڈاکٹر، مشترک ہندوستانی تہذیب، مشمولہ: اُردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب، مرتبہ: ڈاکٹر کامل قریشی، دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص ۴۵

۷۔ ایضاً، ص ۴۹